قوادیان

اس صوبہ کے بارے میں سیاح نے چند مجمل باتیں لکھی ہیں جن سے یہاں کی زندگی اور تمدن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ لکھتا ہے: قوادیان چھوٹا صوبہ تھا، جیحون اور صوبہ صغانیان کی سرحد سے ملتا تھا، اس صوبہ میں تین نہایت آباد شہر تھے، جن کے بیچ سے ہو کر دریا نکلتے تھے اور جیحون سے ہم کنار ہو جاتے تھے یہاں بہت سے پہاڑ تھے، سارا صوبہ آب و ہوا اور معاشی وسائل کے لحاظ سے اچھا تھا۔[1]

ختل

بڑا صوبہ تھا جہاں بہت سے شہر تھے، صوبہ صغانیان سے زیادہ شاندار اور لمبا چوڑا تھا شہر صغانیان کے شہروں سے تعداد میں زیادہ تھے، اور تمدنی نعمتیں بھی وہاں سے زیادہ مہیا تھیں۔ یہ صوبہ سندھ کی سرحد پر واقع تھا، اس کے صدر مقام کا نام ھلبک تھا، یہ شہر صغانیان (صدر مقام صوبہ صغانیان) سے چھوٹا تھا، جامع مسجد شہر کے وسط میں تھی، پینے کا پانی نہروں سے آتا تھا، عمدہ گھوڑے پائے جاتے تھے، پھل خوب تھے اور دیگر تمدنی نعمتوں کی بھی کمی نہ تھی۔ صوبہ کے سب شہر آباد اور خوش حال تھے۔[2]

ضلعے

۱۔ ترمذ: جیحون پر واقع ہونے والے شہروں میں سب سے بڑا شہر تھا، خوب صاف ستھری اور خوش آیند جگہ تھی، بازاروں میں اینٹوں کا فرش تھا، شہر فصیل میں تھا، فصیل کے باہر مزید آبادی تھی جس میں مکانوں کے علاوہ لوگ خیموں میں بھی رہتے تھے، بیرونی بستی میں ایک قہندز تھا جامع مسجد فصیل میں تھی، شہر شرقی و غربی دونوں کناروں پر آباد تھا، یہاں دریا خوب بھرا ہوا تھا اور اس کا پانی شہر کے دونوں بازوؤں تک پھیلتا تھا، کشتیاں ایک کنارہ سے دوسرے تک دوڑتی پھرتی تھیں، شہر کی اہمیت ایک بڑے گھاٹ کے طور پر تھی، کیوں کہ یہاں سے دونوں طرف کے قافلے دریا پار کرتے تھے۔[3]

۲۔ نویدہ: دریا کے شرقی کنارہ پر ایک چھوٹا شہر تھا، جامع مسجد شہر کے وسط میں تھی، سمرقند

---

[1] مقدسی ص۲۸۹-۲۹۰ [2] مقدسی ص۲۹۰ [3] مقدسی ص۲۹۱

سے جو قافلے آتے تھے وہ اس شہر سے دریا عبور کرتے تھے[1]

۳۔ کالف:۔ بغداد اور واسط کی طرح یہ شہر جیحون کے دونوں کناروں پر واقع تھا، مغربی کنارہ پر ذوالقرنین نامی ایک رباط (سرائے یا چھاؤنی) تھا جس میں مسجد تھی، اور مشرقی کنارہ پر ایک دوسرا رباط تھا جس کا نام ذوالکفل تھا، سیاح نے لکھا ہے کہ کالف کے علاوہ جیحون کے ساحل پر کوئی جگہ اتنی موزوں نہ تھی جہاں دونوں بازوؤں پر شہر آباد ہو سکتا، وجہ یہ تھی کہ یہاں دریا کا کنارہ سخت اور ابھرا ہوا تھا۔ یہاں سے قافلے دریا پار کیا کرتے تھے[2]

۴۔ زم:۔ ساحل دریا پر بڑا شہر تھا، بازاروں کے وسط میں جامع مسجد تھی، بازار ڈھکے ہوئے تھے، شہر کی ضرورت کا پانی دریا سے آتا تھا، جس زمانہ میں غلہ خرمن ہوتا دریا کا پانی شہر کے وسط تک چڑھ آتا تھا۔ یہاں بھی قافلے دریا پار کرتے تھے[3]

۵۔ فربر:۔ علاقۂ ہیطل میں لگ بھگ تین میل دریا سے ہٹ کر آباد تھا، یہاں زراعت یا گاؤں کم تھے، زراعتی محصول ہلکا تھا، انگور نہایت لذیذ ہوتے تھے، پانی کی قلت تھی، شہر میں ایک آباد قہندز تھا اور کئی اچھے رباط تھے۔ جامع مسجد شہر کے دروازہ پر تھی، یہاں ایک رباط تھا (نصر بن احمد کا بنوایا ہوا) جہاں مسافروں کو کھانا کھلایا جاتا تھا، یہاں سے بھی قافلے دریا پار کرتے تھے[4]

۶۔ آمل:۔ علاقۂ خراسان میں دریا سے تقریباً تین میل ہٹ کر واقع تھا، خوب آباد جگہ تھی، اس نواح کے سارے ہی شہر آباد تھے، اور زندگی کی ضروریات سے مالامال، شہر کے آس پاس بہت سے گاؤں تھے، زراعتی محصول بھاری تھا، پانی کی افراط تھی، بازار ڈھکے ہوئے تھے، اعلیٰ قسم کے انگور کثرت سے پیدا ہوتے تھے، جامع مسجد ایک ٹیلے پر تھی، شہر میں شیریں پانی کے بہت سے کنوئیں تھے۔ اس شہر سے بھی قافلے دریا پار کرتے تھے[5]

---

[1] مقدسی ص۲۹۱ [2] مقدسی ص۲۹۱ [3] مقدسی ص۲۹۱ [4] مقدسی ص۲۹۱

[5] مقدسی ص۲۹۱-۲۹۲

تاریخی حقائق

از

جناب مولانا محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحی - دار العلوم معینیہ سانحہ (مونگیر)

(۲)

یہ بزرگ زمانہ کے حالات سے بڑے تنگ دل رہتے تھے، فرماتے ہیں

"اس زمانہ میں جو لوگ پنج وقتہ نماز با جماعت پڑھ لیا کرتے ہیں۔ وہ ولی ہیں کہ اس زمانہ میں بے دینی بہت ہے"

مطلب یہ تھا کہ یہی غنیمت ہے، ورنہ کوئی پابندی سے باجماعت نماز پڑھنے کے لئے بھی تیار نہیں۔ آج خود سیکڑوں پیر اور پیرزادے ہیں۔ جو نماز سے کوسوں دور ہیں۔ صرف مرید آباد میں بادل ناخواستہ پڑھ لیا کرتے ہیں۔ تاکہ مریدین کی جماعت میں وقار کم نہ ہونے پائے۔ اور لوگ بزرگ اور خدا رسیدہ سمجھنے پر مجبور ہوں۔

جو لوگ احکام دین سے روگردانی کرتے اور غلط قسم کا عذر پیش کرتے شاہ سلیمان تونسوی ان کو بڑی ملامت فرماتے، چنانچہ کچھ لوگوں نے روزہ کے لئے خشکی کا عذر پیش کیا تو فرمایا

"دنیادار رمضان المبارک کے روزے نہیں رکھتے، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں خشکی ہوتی ہے، یہ بات نفس کی گمراہی اور شیطان کے غلبہ کی بنا پر ہے" [۱]

اسی طرح آپ نے ان لوگوں کی غلطی کو آشکارا کیا جو عملیات میں غلو پیدا کر لیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں

"سالک کو چاہئے کہ عملیات میں وقت کو ضائع نہ کرے، ایسے مشغلے راہ فقر کے ڈاکو اور رکاوٹیں ہیں، اصلی مقصود خدا کا یاد کرنا ہے . . . . . ذکر جہر بہ کلمہ لا الہ الا اللہ سب

[۱] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۳۶

اورادو وظائف سے بہتر ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "افضل ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے"[1]

آپ اندازہ لگائیں شاہ صاحب کو سنتِ نبیؐ سے کیسا عشق تھا، کوئی کام جو سنت کے خلاف ہوتا دیکھا اس پر خاموش نہ رہ سکے، اپنا فریضہ ادا کرتے چلے گئے، تاویل سے کہیں بھی کام نہیں لیا۔ سیدھے سادے دین کو پیچیدہ بنانے کی کبھی بھی سعی نہیں فرمائی، اسی کا نام محبتِ رسول صلعم ہے

ایک دفعہ فرمایا

"تم اپنے پیر سے جس قدر امداد چاہتے ہو، اور کائنات کے کاموں میں اس کا جس قدر دخل خیال کرتے ہو، یہ سب باتیں اس کے احاطۂ اختیار سے باہر ہیں، اللہ پر صحیح بھروسہ رکھو، سوائے اس کے کسی سے التجا نہ کرو، اسی سے عرض مدعا کرو، اور اسی پر اعتماد رکھو"[2]

آہ اب یہ صاف گوئی پیروں میں کہاں باقی رہی ؟ اب تو کچھ پیر یہ سمجھانے کی سعی کرتے ہیں کہ جو کچھ کر سکتے ہیں ہم یا ہمارے سلسلہ کے بزرگانِ دین ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکومت کی باگ ڈور انہی ولیوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ پیروں کی قبریں پرستشگاہ بن گئیں، ان کی پوجا ہونے لگی، پھول چڑھنے لگے، چادروں سے ڈھکی جانے لگیں، اور حد یہ ہے کہ قبر کو پیر اور پیرزادے سجدہ کرنے لگے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

شاہ محمد سلیمانؒ نے علماء کو بھی تنبیہ کی اور فرمایا

"علماء کی گمراہی خود انھی تک محدود نہیں رہتی، عوام بھی اس کا شکار ہو جاتے ہیں، ایک عامی کی گمراہی خود اسی تک رہتی ہے، لیکن ایک عالم کی بے راہ روی سے عوام بھی متاثر ہو جاتے ہیں، علماء نہ تو جنت میں تنہا جاتے ہیں نہ دوزخ میں، دونوں جگہ کثیر جماعت ان کے ساتھ ہوتی ہے لہذا علماء کو چاہیے کہ علم پر عمل کریں"[3]

اب اخلاص کے ساتھ یہ صاف گوئی عنقا ہوتی جا رہی ہے، اگر کوئی تنقید کرتا ہے بھی تو علماء کی صرف تذلیل و توہین کے ارادے سے، اخلاص مفقود ہوتا ہے۔

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص۶۳۷ [2] ایضاً ص۶۳۸ [3] ایضاً ص۶۳۹

ایک جگہ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں

"علم بغیر عمل، اور عمل بغیر صحیح عقیدۂ اہل سنت و جماعت، کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا"[1]

جو بات فرمائی اس کے صحیح ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟

ایک دفعہ آپ نے فرمایا تھا

"پہلے زمانہ میں قاضی صاحب نسبت ہوتے تھے، اب رشوت خور ہیں"[2]

پھر رشوت خوری کی مذمت فرماتے ہیں۔

"جو کوئی حرام کھاتا ہے، اس کا رزق تنگ ہو جاتا ہے، اور وہ عاجز ہو جاتا ہے، چنانچہ دیکھتے نہیں کہ چور (جو حرام مال کھاتا ہے) ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتا ہے"[3]

اب ایسی صاف گوئی کہاں باقی رہی؟ برائیوں کا رات دن ارتکاب ہوتا ہے، لوگ دیکھتے ہیں، مگر اکثر لوگوں کی زبان تک نہیں ہلتی، وہ بڑی آسانی سے برائیوں کو برداشت کر لیتے ہیں، اور اپنی ذمہ داری بھول جاتے ہیں۔

شریعت کے معاملہ میں آپ بہت سخت گیر تھے، فرمایا کرتے تھے۔

"جو شخص چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کا محبوب ہو جائے، اسے چاہیئے کہ ظاہر اور باطن میں شریعت کی متابعت کرے، چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ"[4]

ایک دفعہ فرمانے لگے

"کہ اگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بالفرض اس وقت موجود ہوتے، تو اس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے اس لئے کہ انھوں نے شریعت کا اتباع چھوڑ دیا ہے، اور مخلوق ان کو دیوانہ کہتی، اس لئے کہ ان کے افعال و اخلاق شریعت کے مطابق ہوتے"[5]

آپ نے موجودہ دور کے لوگوں کے اعمال و اخلاق کا معیار جس طرح واضح فرمایا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں۔ صحابۂ کرامؓ کا نقشِ قدم اب کہاں باقی رہا؟ دین کے معاملہ میں سستی عام بات ہے، کتاب و

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۶۲۲ [2] ایضاً ص ۶۲۲ [3] ایضاً ص ۶۲۳ [4] ایضاً ص ۶۲۳ [5] ایضاً ص ۶۲۴

سنت کی پیروی جیسی چاہیئے وہ لگ بھگ ناپید ہو رہی ہے ؎

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار، تو ثابت، وہ سیارا

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ

"ایک مرتبہ جب سکھوں نے ملتان کا محاصرہ کیا، تو ایک بزرگ حضور رسول مقبول صلعم کی خدمت میں امداد کے طالب ہوئے۔ خواب میں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا "مری امت نے مری پیروی چھوڑ رکھی ہے"[1]

کاش آج کے مسلمان سوچتے کہ سنت کی پیروی کتنی اہم چیز ہے، اور اتباعِ سنت کے ترک سے قوم اور ملک کو کس قدر نقصان ہے؟ افسوس یہ احساس بھی باقی نہ رہا۔

لکھا ہے کہ حکومت کے باب میں ان کا خیال حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کے مطابق تھا۔

"کہ حکومت کفر کے ساتھ چل سکتی ہے لیکن ظلم و ناانصافی کے ساتھ نہیں"[2]

یہ بات اپنی جگہ بہت درست ہے، کفر و فسق حکمراں کی ذات تک محدود ہوتا ہے مگر ظلم و جور اور ناانصافی سے ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے، پبلک اپنے حقوق سے محروم ہو جاتی ہے، کمزور اور نہتے جور و ظلم کے شکار بنائے جاتے ہیں، کھلی بات ہے ایسی حالت میں حکومت کیوں کر چل سکتی ہے،

انگریزوں نے ظلم اور ناانصافی کی تو باوجود اپنی زبردست طاقت کے ہندوستان سے گئے، کل اگر آزاد بھارت اور پاکستان کے حکمراں بھی ظلم و جور اور ناانصافی پر تُلے رہے تو یہ بھی حکومت کی گدی سے محروم ہو کر رہیں گے۔

مگر ساتھ ہی حضرت شاہ سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ

"ظالم حکمراں کا مسلط ہونا، لوگوں کی بداعمالی کی دلیل ہے،" "اعمالکم عمالکم" پر ان کا اعتقاد تھا، اور اپنی مجلسوں میں اسی پر اصرار کیا کرتے تھے، کہا کرتے تھے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی ملک کو

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۶۲۵ [2] ایضاً صفحہ ۶۲۹

تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ظالم حاکموں کے قبضہ میں دے دیتا ہے، یہ شعران کے وردِ زبان رہتے

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے ۔۔۔ نہد ملک در پنجہ ظالمے

بقومے کہ نیکی پسند د خدائے ۔۔۔ دہد خسروِ عادل و نیک رائے

(رب العزت جب کسی ملک کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو اس پر ظالم کو تسلط دے دیتا ہے اور جو قوم نیک خو اور حق پرست ہوتی ہے، اس کا حکمراں رب العزت عادل و نیک شخص کو بناتا ہے)

بلاشبہ سارے مصائب اور پریشانیاں اعمال و اخلاق کی پستی اور کتاب و سنت سے بے پروائی کا نتیجہ ہیں۔ کاش مسلمان اس راز کو سمجھتے اور اس پر یقین کر کے عمل کی درستی کی فکر میں لگ جاتے۔

شاہ سلیمان صاحب رح نے اس پر بڑا زور دیا ہے ایک جگہ فرماتے ہیں

"ہر بلا اور مصیبت جو انسانوں پر نازل ہوتی ہے، ان کے اعمالِ ناشائستہ کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے "اعمالکم عمالکم" یعنی تمہارے کردار تمہارے حاکم ہیں اگر تمہارے اعمال نیک ہوں گے، تو تمہارے حاکم بھی اہلِ اسلام میں سے اور عادل ہوں گے اور اگر اس کے برعکس ہوں گے تو حاکم بھی کافر و جابر ہوں گے"[1]

ضرورت ہے کہ مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگ اس اعتقاد کو دل میں جگہ دیں، اور اپنی اصلاح اپنے سے شروع کر دیں، دوسروں کو گالیاں دینے سے زیادہ مفید یہی شکل ہو گی، کسی جماعت کو کوسنا مصائب کے پہاڑ کو نہیں ٹال سکتا، جو لوگ حکومت سے انصاف کی درخواست کرتے ہیں وہ اپنی جگہ درست کرتے ہیں کہ یہ ان کا شہری حق ہے مگر ساتھ ہی بنیادی اصلاح کی طرف توجہ دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

شاہ سلیمان صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہ غیر قوموں سے خواہ مخواہ الجھنے کو پسند نہیں فرماتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ بھی خوشگوار تعلقات رکھے جائیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آپ اپنے مریدوں کو ہدایت فرماتے۔

"اپنے مذہب، اپنے تمدن، اور اپنی شریعت پر قائم رہو، لیکن ساتھ ہی ساتھ دوسرے مذاہب

---

[1] تاریخ مشائخ چشت ص ۶۴۹ [2] ایضاً ص ۶۵۱

کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ اپنے تعلقات میں کبھی بدمزگی پیدا نہ ہونے دو ـــــ سالک کو چاہیے کہ کسی کو رنج نہ پہنچائے۔ بلکہ ساری مخلوق سے صلح رکھے[1]

جو لوگ مسلمان علمائے دین کو تنگ نظر کہتے ہیں، یا دیندار طبقہ کو غیر مذاہب والوں کا دشمن سمجھتے ہیں، وہ آنکھیں کھولیں اور اس "ہدایت نامہ" کو بغور پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں۔

دنیا کو یقین کرنا چاہیے کہ اسلام دوسروں کا دشمن ہرگز نہیں ہے ہاں وہ گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو رشد و ہدایت کی البتہ تاکید کرتا ہے، اور وہ بھی نرمی سے، سختی سے نہیں، جبر و تشدد اس مذہب میں خواہ مخواہ قطعاً جائز نہیں۔

شاہ سلیمان تونسویؒ فرمایا کرتے تھے

"اہلِ دنیا "سفید چشم" اور بے وفا ہوتے ہیں، جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو پیر و فقیر کی تلاش میں پھرتے ہیں، اور آہ و زاری کرتے ہیں، لیکن ویسے بلا مطلب وہ کبھی فقراء کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔"

اس سلسلہ میں آپ یہ حکایت بیان فرماتے تھے۔

"ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ حضرت خواجہ فریدالدین عطارؒ کی ملاقات کے لئے گئے، شیخ عطارؒ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا ـــــ تو امیروں سے دوستی رکھتا ہے میں تجھ سے نہیں ملتا شیخ سعدیؒ کو سخت صدمہ ہوا چھ ماہ تک وہاں رہے، پھر حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ نے بلا کر حاضری کا شرف بخشا"[2]

ہمارے اس زمانہ کے خاندانی پیرزادے، اور پیر صاحبان نیز علماء کرام اس واقعہ کو پڑھیں اور بصیرت حاصل کریں جن کا حال یہ ہے کہ اگر کوئی غریب مولوی ان کی خانقاہ میں ملنے چلا گیا، تو کبر و نخوت سے ان کی پیشانی پر بل پڑ گیا، اس سے اس طرح ملے گویا کوئی اجنبی اچھوت آگیا ہے، اور اگر کوئی امیر یا امیرزادہ آگیا، تو ان کی پیشانی تک چمک گئی، اٹھ کر ہنستے ہوئے بغل گیر ہوئے، اور تپاک سے ان کو جگہ دی، اور پھر تھوڑی دیر کے لئے

---

[1] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۹۵ [2] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۶۵۶